اسلامی معیشت:

پہلی قسط مال کا تصوّر اور اسلا م میں اس کی حقیقت

مولانا شکیل احمد مدرس جامعه محمدیه اسلام آباد

پیش کردہ اسلام آباد فقہی سیمنار

مولانا شکیل احمد نے مقالہ ھذا کو اسلام آباد فقہی سیمنار منعقدہ زیر نگرانی جامعہ المرکز الاسلامی مورخہ ۱۵، ۱۶ مارچ ۲۰۰۳ء بمقام جامع مسجد دارلسلام میں پیش کیا تھا مولانا موصوف ایک جید عالم دین لائق محقق اور جامعہ محمدیہ کے مدرس ہیں قارئین حضرات کے افادہ کے لئے فقہی سیمناروں کے مقالات وقتاً فوقتاً شائع کئے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین حضرات مقالہ ھذا سے بھرپور استفادہ کریں گے۔.........ادارہ

نمبر شمار:	ذیلی عنوانات	نمبر شمار:	ذیلی عنوانات
۱:	مال کے بارے میں شارع کی صراحت	۴:	مال کا لغوی واصطلاحی معنی
۲:	منافع شارع کی نظر میں	۵:	مال کا لغوی معنی
۳:	بحث کا حاصل	۶:	مال کی اصطلاحی تعریف

کسی چیز کے ثبوت کے لئے بنیادی ماخذ ومصادر۔

☆ شارع کی صراحت۔ ☆ لغت۔ ☆ عرف وعادت۔

(۱) مال کے بارے میں شارع کی صراحت:

شارع کی صراحت کی مثال، جیسے نماز، روزہ، نکاح وطلاق وغیرہ کا مفہوم شارع نے بذات خود مقرر فرمادیا ہے، اور وضوء وتیمّم میں وجہ، ید، اور رجل کا مفہوم لغت سے متعین کیا گیا ہے، اور ایسی اصطلاحات کی جنکی تعیین عرف کے ذریعہ کی گئی ہو بے شمار ہیں۔

(مجلہ فقہ اسلامی ۳/ ۲۹).

جہاں تک شارع کی صراحت کا تعلق ہے۔ تو لفظ مال قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ لیکن غالباً کہیں بھی لفظِ مال کی تعریف وتحدید بیان نہیں کی گئی، جس طرح کے صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی تعریف بیان کی گئی ہے، بلکہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جب لفظ مال استعمال کیا جاتا تھا۔ اور اس سے عرفِ عام میں جو معنیٰ سمجھا جاتا تھا اسی معنیٰ کو کافی سمجھا گیا اور مال کی کوئی لگی بندھی تعریف بیان نہیں کی گئی جیسے مسجد، بیت اللہ، کتاب اللہ، اور ارض وسماء کا تلفظ کیا جاتا تھا۔ تو اس سے خود بخود ذہن میں ان کا تصور

آجاتا تھا، ان چہروں کے تلفظ کے بعد ان کے ذہن میں تصور لانے کے لئے تعریف کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح جب لفظ مال کا تلفظ کیا جاتا تھا تو خاص وعام خود بخود اس کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھ جاتے، اس لئے مال کے مفہوم کو لوگوں کی فہم پر چھوڑ دیا گیا، مثلاً جب کوئی عربی دان قرآن کریم یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لفظ مال پڑھتا یا سنتا تو وہ بغیر تفکر وتدبر کے اس کا معنیٰ سمجھ جاتا۔

كل المسلم على المسلم حرام ، دمه وما له' وعزته،

اس حدیث سے ایک عربی دان جسطرح "دم" اور "عرض" کا مفہوم بلاتعریف کے سمجھ جاتا بعینہٖ اسی طرح وہ مال کا مفہوم بھی بلاتعریف کے سمجھ جاتا۔

والمال فى الاصطلاح لم يرد له تعريف عن الشارع يحدد معناه تحديدا دقيقا بل ترك لما يتعارف الناس عليه منه ، فالعربى الذى نزل القرآن بد بلغته حينما يسمع لفظه "المال" يفهم المراد منها كما يفهم ما يراد بلفظ السماء والارض ولذلك نجد بعض اصحاب المعاجم اللغوية يقولون : "المال معروف" ولم يحدد الشارع له حقيقة اصطلاحية بحيث اذا اطلق تبادرت الى الاذهان كما هو حال فى الصلوة والصيام۔ (الملكية فى الشريعة الاسلامى ٧٢ ، ١٧١) وكذا المدخل فى الفقه الاسلامى ٣٢٩) (وذلك لان الكتاب الكريم والسنة الشريفة جاءت فيها كلمة المال) .وترك للناس مهمها بما يعرفون ويالفون فاذا قراء العربى حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، " كل المسلم على المسلم حرام : دمه وماله وعرضه". فهم المراد من غير رجوع الى كلمة خاص(الملكية ونظرية العقد ٤٨).

چونکہ لفظ مال کا معنیٰ عہد رسالت اور مابعد کے زمانہ میں معروف ومشہور اور مانوس تھا۔ اس لئے بعض لغات کی کتابوں میں مال کے لغوی معنی کو بیان کرنے کی بجائے صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کیا گیا کہ اس کا معنیٰ معروف ومشہور ہے۔ **المال: معروف ويذكر ويؤنث (المصباح المنير . ٥٨٦) ، ولسان العرب ١٣ / ٢٢٣).**

المال : معروف وتصغير مؤل ، ورجل مال، اى كثير المال والسد وانشد ابو عمرو :اذا كان مالا كان مالا مرزأ ونال ندا٥ كل دان وجانب (الصحاح فى اللغة والعلوم ٢/ ٥٢٠) ۔مول(المال) معروف ورجل (مال) اى كثير المال . (مختار الصاح . ٦٦٥)

قرآن کریم میں لفظ مال تقریباً ۹۰ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اور احادیثِ مبارکہ میں بھی لفظِ مال بکثرت استعمال ہوا ہے، لیکن قرآن وحدیث میں کہیں بھی "مال" کی تعریف بیان نہیں فرمائی گئی، بلکہ اسے مخاطبین وسامعین کے فہم پر چھوڑ دیا گیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ گو قرآن وحدیث میں مال کی تعریف تو بیان نہیں فرمائی گئی لیکن قرآن وسنت میں جہاں جہاں لفظ مال استعمال ہوا ہے۔ وہ کس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن وحدیث میں جہاں بھی لفظِ مال استعمال ہوا ہے۔ تو وہ مادی اور عینی چیزوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہاں چند آیات وروایات کو پیش کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

وابتلوا الیتا میٰ حتی اذا بلغو ا النکاح فان ٰا نستم منهم رُشد اًفا د فعو ا الیهم اموا لهم (سورہ النساء آیت نمبر ۶ پارہ نمبر ۴)۔
''تم یتیموں کو آزمالیا کرو، یہاں کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں پھر ان میں ایک گنا تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالہ کردو'' ایک اور آیت مبارکہ میں ہے: انما اموالکم و اولا دکم فتنة (سورہ انفال آیت نمبر ۲۸ پارہ نمبر ۹)۔
''یقیناً تمہارے اموال واولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں''۔ ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔
خذمن اموالهم صدقةً تطهّر هم وتز کیهم بها وصل علیهم (سورہ توبہ پارہ نمبر ۱۱ آیت نمبر ۱۰۳)
''آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے اوران کو پاک وصاف کردیں اوران کے لئے دعا کیجئے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔
ان اللّٰه اشتری من المو منین انفسهم و اموالهم با ن لهم الجنة (سورہ توبہ پارہ نمبر ۱۱، آیت نمبر ۱۱۱)
''اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے''۔ ایک مقام پر فرمانِ خداوندی ہے۔
ویل لکل همزة لمزه o الذی جمع مالا وعدده o یحسب ان ما له اخلده o (سورہ همزہ پارہ نمبر ۳۰، آیت نمبر ۱)
''ہلاکت ہے ہراس شخص کے لئے جو پسِ پشت عیب نکالنے والا اور طعنہ باز ہے، جو مال کو جمع کرتا رہتا ہے۔ اور اسے گنتا رہتا ہے''۔ اور خیال کرتا ہے۔ کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ مذکورہ آیات مبارکہ اوران کے علاوہ دیگر آیات مبارکہ جن میں لفظِ مال استعمال ہوا ہے میں مفسرین نے سیاق وسباق سے مال سے مادی عینی چیزیں ہی مراد لی ہیں۔ اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی لفظ مال سے مادی اور عینی چیزیں مراد ہیں، چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔
ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال . (مشکوۃ شریف، ۴۴۲)۔
''ہرامت کے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے۔ اور میری امت کے لئے آزمائش کی چیز مال ہے''۔
ان اللّٰه لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعما لکم۔ (مشکوۃ شریف . ۴۵۴)
''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے لیکن وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔ ان مما یلحق المومن من عمله وحسناته بعد موته علما علمه ونشر ه .....او صدقة اخر جها من ماله فی صحته وحیو ته . (مشکوۃ شریف ۳۶)
''انسان کی موت کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں میں سے جو چیز اس کو ملتی رہتی ہے۔ وہ ایسا علم ہے۔ جس کو اس نے سکھایا اور پھیلایا اور ایسا صدقہ ہے۔ جس کو اس نے اپنے سے نکالا ہو اپنی صحت اور اپنی زندگی میں''۔
جا هد و المشر کین با موالکم وانفسکم والسنتکم . (مشکوۃ شریف . ۳۳۲)
''تم مشرکین سے اپنے مالوں اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو''. یتبع المیت ثلثه فیر جع اثنا ن فیبقی معه واحد ، یتبعه اهله وما له وعمله فیر جع اهله وماله ویبقی عمله۔ (مشکوۃ شریف . ۴۴۰)
''میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ دو واپس لوٹ آتی ہیں۔ اور باقی ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے اہل،

ل اور اعمال جاتے ہیں، اہل اور مال لوٹ آتے ہیں۔ اور اعمال باقی رہ جاتے ہیں۔ مذکورہ احادیث مبارکہ اور ان کے علاوہ دیگر احادیث مبارکہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ احادیثِ مبارکہ میں جہاں بھی لفظِ مال آیا ہے۔ وہاں مال سے مادی اور عینی اشیاء ہی مراد ہیں۔

منافع شارع کی نظر میں:

مادی اور عینی چیزوں کے مقابلہ میں منافع اور حقوق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو کیا شارع کی نظر میں منافع وحقوق بھی مال ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ قرآن وحدیث میں گو مال کا اطلاق مادی اور عینی چیزوں پر کیا گیا ہے۔ لیکن احادیث مبارکہ میں شاید کوئی ایسا واقعہ نہ ملے کہ وہ مواقع اور معاملات جن کا تعلق مال سے ہے۔ اور شریعتِ مقدسہ نے ان کے انعقاد اور حصول کے لئے مال کی شرط لگائی ہو۔ اور پھر شارعؑ نے اس معاملہ کو صرف اس وجہ سے باطل قرار دیا ہو کہ وہاں مال عینی اور مادی چیز کی بجائے منفعت تھی اور منفعت چونکہ مال نہیں اس لئے یہ معاملہ باطل ہے، بلکہ احادیث مبارکہ میں ایک ایسا واقعہ موجود ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شارع کی نظر میں منافع بھی مال ہیں۔ اور مال بننے کے لئے مادی اور عینی چیز کا ہونا شرط نہیں ہے۔ وہ واقعہ کتبِ حدیث میں معروف ہے۔

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اپنے آپ کو آپؐ کے لئے ھدیہ وھبہ کر دیا، پھر کافی دیر کھڑی رہی، پھر ایک صحابیؓ نے کھڑے ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں تو میرا نکاح اس سے فرمادیجئے، آپؐ نے اس سے پوچھا کیا تیرے پاس ''حق مہر'' ہے، تو ان صحابیؓ نے عرض کیا کہ میرے پاس صرف میرا یہ ازار بند ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ لوہے کی ایک انگوٹھی بھی تلاش کرلو، تو تلاش کرنے کے باوجود بھی ان کو کوئی چیز نہ ملی، اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا! کیا آپ کو کچھ قرآن آتا ہے۔ تو ان صحابیؓ نے عرض کیا کہ فلاں فلاں سورۃ یاد ہے۔ تو اس پر آپؐ نے فرمایا!'' **قد زوجتکھا بما معک من القرآن**'' اور ایک روایت میں ہے۔ کہ **فقد زوجتکھا فعلمھا من القرآن**۔ (**مشکوۃ شریف . ۲۷۲ .متفق علیه**)

اب غور کرنے کی بات یہ ہے۔ کہ تعلیم قرآن یقیناً مادی اور عینی چیز نہیں ہے۔ بلکہ منفعت ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے۔ اور نص قرآنی ہے۔ کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا مبارک ارشاد ہے۔ ان تبتغوا باموالکم . ''کہ تم تلاش کرو اپنے اموال سے''۔

جب مہر کا مال ہونا ضروری ہے۔ اور شارع بذاتِ خود ایک منفعت کو مہر بنارہے ہیں۔ تو یہ اس بات کی کافی دلیل ہے۔ کہ شارع کا نظر میں منفعت بھی مال ہے۔

ماقبل میں جو ہم نے قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ پیش کی ہیں۔ ان کے پیش کرنے کا مقصود یہ ہرگز نہیں تھا۔ کہ شارع کی نظر میں مال سے مراد صرف عینی اور مادی چیزیں ہی ہیں۔ اور منافع مال نہیں بلکہ مقصود یہ تھا۔ کہ آپؐ کے مبارک دور میں جن چیزوں سے انتفاع مروج تھا۔ وہ عینی اور مادی تھیں اور آج کل منافع سے انتفاع کی مروجہ صورتیں آپؐ کے دور میں نہ تھیں۔ اور اگر ایسی صورتیں آپؐ

کے دور میں بھی وقوع پذیر ہوتیں تو ان پر بھی مال کا اطلاق کیا جاتا جیسا کہ ابھی ایک واقعہ پیش کیا گیا۔

بحث کا حاصل:

لغت کے اعتبار سے مال حقیقت کو بیان کرنے سے پہلے بہت مناسب ہوگا کہ ہم اپنی سابقہ معروضات کا خلاصہ بیان کردیں۔

(۱) مال کی تعریف وتحدید شارع سے منقول نہیں۔

(۲) عہد رسالت میں مال کا مفہوم مخاطبین وسامعین کے فہم پر چھوڑ دیا گیا۔

(۳) قرآن وحدیث میں لفظِ مال کا اطلاق عموماً مادی وعینی چیزوں پر ہوا ہے۔البتہ منفعت پر لفظ مال کے اطلاق سے متعلق شارع سے انکار بھی منقول نہیں بلکہ منفعت پر مال کا اطلاق مذکورہ واقعہ کی بناء پر شارع سے کسی درجہ میں منقول وثابت ہے۔

لغت اور فقہائے کرام کی اصطلاح میں مال کی حقیقت:

شارع کی صراحت کی بحث کی تکمیل کے بعد اب لفظ مال لغوی واصطلاحی معنیٰ کو بفضلہٖ تعالیٰ بیان کیا جاتا ہے۔

مال کا لغوی معنیٰ:۔

لفظِ مال کے مادہ میں دو احتمال ہیں۔(۱) لفظ مال کا مادہ م، ی، ل (مَیل) ہو (۲) لفظ مال کا مادہ م، و، ل (مَول) ہو، دونوں صورتوں میں لفظ مال کے لغوی معنیٰ میں فرق ہے۔اگر لفظ مال کا مادہ م، ی، ل ہو تو اس کا معنیٰ ہے۔مائل ہونا، جھکنا (اس مقام پر طبیعت کا مائل ہونا مراد ہے۔یعنی ما یمیل الیه الطبع یعنی مرغوب فیه چیز) مال:۔الیه میلا ومما لا وممیلا وممیا لا ومیلا نا ومیلو لة عد ل فهو مـائـل . و ما لت الشمس ، میو لاقر بت للغروب. والما ئلا ت فی الحدیث اللا تی یملن خیلاء و المملا ت التی یملن قلوبنا الیهن او یملن المقا ئع لتظهر وجو ههن وشعو رهن ۔(القا موس المحیط، ۲، ۱۷) میل: المیم ، والیاء والـلا م کـلمه صحیحة تد ل علی انحراف فی الشئی الی جانب هنه فان کان خلقة فی الشئی فمیل ۔(مـقـائییس اللغة ۲۹۰) مال کے اسی لغوی معنیٰ کو بہت سے فقہاء احناف نے بیع کی تعریف میں ذکر فرمایا ہے۔اور بیع کی تعریف میں لفظ مال کو ذکر کرنے کی بجائے ''مرغوب فیہ چیز'' کو ذکر فرمایا ہے. امـا ر کـن البیع فهو مبا دلة شئی مر غوب لشئی مرغوب .(بدا ئع الصنا ئع ۵/۱۳۳)

وشـر عـا(مبـاد لة شئی مرغوب فیه بمثله). (تنو یر الا بصار ۵۰۲/۴) اور اگر مال کا مادہ م، و، ل ہو تو پھر لغت میں لفظ مال کے معنیٰ ہیں۔''ہر وہ چیز عینی جس کا انسان مالک بن سکتا ہے۔اور بالفعل اس کو جمع وذخیرہ کر سکتا ہے''۔

الـما ل معروف ماملکته' من جمیع الا شیاء قال ابن الا ثیر : الما ل ما یملک من الذهب و الفضه ثم اطلق علیٰ کل ما یقتنیٰ ویملک من الا عیان واکثر ما یطلق المال عند العرب علی الا بل لا نها اکثرا اموالهم .

(لسان العرب ۱۳/ ۲۲۳)۔المال ما ملکته من کل شئی _ ثم اطلق علی ما یقتنیٰ ویملک من الاعیان.

(تاج العروس۸/ ۱۲۱)،(القاموس المحیط ۴/۷۰)،(اقرب الموارد ۲۸۶) امادہ مول)

مال کی اصطلاحی تعریف:۔

فقہاء کے ہاں مال کے اصطلاحی تعریف میں اختلاف ہے۔لیکن مال کی بڑی اصطلاحی تعریفیں دو ہی ہیں۔(۱) جمہور کی تعریف۔(۲) احناف کی تعریف۔جمہور سے مراد احناف کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ ہیں، ائمہ ثلاثہ کی ذکر کردہ مال کی تعریف کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں۔لیکن نتیجہ سب کا ایک ہی ہے۔کہ ان کے عینی اشیاء اور منافع سب مال ہیں۔ (بحوث فی قضایا فقهیه معاصره. ۸۴)

احناف کے ہاں مال کی تعریف:۔احناف کے ہاں مال کی مشہور تعریفیں دو ہیں۔

پہلی تعریف:۔

.ما یمیل الیه الطبع ویمکن احرازه لو قة الحاجة ۔(ردالمحتار. ۴/۵۰۱)۔یعنی مال وہ چیز ہے۔جس کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہو اور ضرورت کے وقت کے لئے اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔اس تعریف کے اعتبار سے کسی چیز کے مال بننے کے لئے دو شرطیں ہیں۔(۱) اس چیز کی طرف انسان کی طبیعت کا میلان ہو۔(۲) اس چیز کو ضرورت کے وقت کے لئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔لیکن مال کی یہ تعریف جامع و مانع نہیں ہے۔(البحر الرائق۵/۲۵۶) جامع اس لئے نہیں کہ بہت سی ترش و تلخ ادویات جن کی طرف انسان کی طبیعت مائل نہیں وہ اس مذکورہ تعریف کے اعتبار سے مال شمار نہیں ہوں گی ۔حالانکہ وہ یقیناً مال ہیں۔اور لوگ ان کی خاطر زر کثیر خرچ کرتے ہیں۔اسی طرح سبزیاں اور پھل بھی اس تعریف کے اعتبار سے مال شمار نہیں ہوں گے۔کیونکہ جلد خراب ہونے کیوجہ سے ان کا احراز ممکن نہیں البتہ موجودہ دور میں کولنگ سسٹم وغیرہ سے سبزیوں اور پھلوں کو ایک مدت تک محفوظ کیا جارہا ہے۔لیکن اگر میلان طبعی سے طبیعت کا کسی چیز کی خوبصورتی اور چمک دمک کی وجہ سے اس کی طرف مائل ہونا مراد نہ لیا جائے بلکہ میلانِ طبعی سے طبیعت کا کسی چیز کی طرف اس کی کسی خوبی اور منفعت کی وجہ سے میلان مراد لیا جائے تو تمام ترش ادویات وغیرہ مال کی تعریف میں بلاتکلف داخل ہو جائیں گی،اور یہ معنیٰ مال کے لغوی معنیٰ کے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ومنها ایضاً ما لا یمیل الیه الطبع بل یعافه ولا یقبله کبعض الادویة وظاهر التعاریف لا یشملها ایضاً الا اذا تاوّلنا ان المراد بمیل الطبع الی ادخاره وتموله والاحتفاظ به .(الملکیة فی الشریعه الاسلامیه ۱۳)۔

فان الناس لا یمیلون بطبعهم ولا یدخرون الا ما یمکنهم احرازه والانتفاع بهٖ ولا یتمولونه من الاشیاء الا ما توافر فیه ذلک.(ردالمحتار بحواله مجله فقه اسلامی ۳/۱۹۲)۔اسی طرح احراز سے اردو والی لمبے زمانہ کی ذخیرہ اندوزی مراد نہ لی جائے بلکہ احراز وادخار سے یہ مراد لیا جائے کہ کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے تعاون کے بغیر اس کی ذاتی صلاحیت کیوجہ سے کسی جگہ میں متمکن کیا جاسکتا ہو۔خواہ وہ احراز مختصر وقت کے لئے ہو اور خواہ ایک طویل مدت کے لئے ہو۔اس معنیٰ کے اعتبار سے تمام پھل

اور سبزیاں مال کی تعریف میں داخل ہو جائیں گی۔

لا ن الا نتفا ع بالمال یعتبر فی کل شئی بما یصلح له . (ردالمحتار بحواله مجله فقه اسلامی ۳/ ۱۹۲)

لیکن احراز کی یہ تعبیر مال کی مذکورہ تعریف کے الفاظ پر کچھ صحیح طور پر منطبق نہیں ہو رہی، کیونکہ اگر مال کی تعریف میں صرف احراز کی قید ہوتی تو پھر مذکورہ تعبیر چل جاتی لیکن احراز کے بعد "لوقت الحاجۃ" کی قید سے بدیہی طور پر احراز کا جو معنیٰ متعین ہوتا ہے۔ اور احراز کی قید سے فقہاء کی مراد مترشح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ انسان کی زندگی میں جو مشکل مقامات اور تنگ حالات پیش آتے ہیں۔ ان حالات و واقعات سے نمٹنے کے لئے جو پس انداز اور جائیداد وغیرہ محفوظ کر کے رکھتا ہے۔ وہ مال ہے۔ اور تعریف میں "لوقت الحاجۃ" سے مراد یہی مشکل حالات وواقعات ہیں۔ اس لئے معنیٰ کے اعتبار سے صرف وہی چیزیں مال شمار ہوں گے، جنہیں کسی مشکل وقت کے لئے ایک عرصہ تک محفوظ رکھا جاسکتا ہو۔

مذکورہ مال کی تعریف کے اعتبار سے کسی چیز کے مال بننے کے لئے بالفعل احراز ضروری نہیں بلکہ بالقوہ احراز ہی کافی ہے۔

" هذا ما ظهر فی هذا المقام".

مال کی دوسری تعریف:۔

اس تعریف کی علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں الحاوی القدسی سے نقل فرمایا ہے۔

الما ل اسم خلق المصا لح الا دمی ، و امکن احرازه و التصرف فیه علی وجه الا ختیار . (البحر الرائق ۵/۲۵۷)

یعنی مال غیر انسان کا نام ہے۔ جو مصالحِ آدمی کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے محفوظ کرنا اور اس میں تصرف کرنا ممکن ہو۔ اس تعریف کے اعتبار سے کسی چیز کے مال بننے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ا۔ اس کا احراز ممکن ہو۔ ۲۔ اس چیز میں تصرف اور اس سے انتفاع ممکن ہو۔

پہلی شرط کے اعتبار سے وہ چیزیں مال نہیں ہوں گی جن کا احراز ممکن نہیں جیسے علم، صحت شرف وذکاء، اسی طرح وہ چیزیں جن پر تسلط اور قبضہ ممکن نہیں جیسے ہوا، روشنی وغیرہ۔ اسی طرح تنہا حقوق ومنافع کا احراز بھی چونکہ ممکن نہیں اس لئے وہ بھی مال کی تعریف میں داخل نہیں ہوں گے۔

دوسری شرط کی وجہ سے وہ چیزیں مال کی تعریف سے خارج ہوں گی جن سے اصلاً انتفاع ممکن نہیں جیسے پیشاب و پاخانہ، لحم میتۃ وغیرہ۔

مال کی مذکورہ دونوں مشہور تعریفوں میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے۔ جو مال کو صراحۃً صرف عینی چیزوں میں منحصر کر دیتا ہو۔ اور حقوق ومنافع کو صراحۃً مال کی تعریف سے خارج کرتا ہو، البتہ دونوں تعریفوں میں جو ایک مشترکہ قید ہے۔

"ویمکن احرازه" اس سے ضمناً حقوق ومنافع مال کی تعریف سے خارج ہوتے ہیں، حقوق ومنافع ضمناً اس لئے خارج ہوتے ہیں۔ کیونکہ حقوق اور منافع کا احراز بھی ممکن ہے۔ جیسے کہ آج کل کے دور میں بکثرت اس کی مثالیں موجود ہیں، لیکن احراز کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ کسی دوسری چیز کی اعانت کے بغیر احراز۔ ۲۔ کسی دوسری چیز کی اعانت سے احراز۔

حقوق (جیسے حق تصنیف وغیرہ ومنافع میں پہلی قسم کا احراز تو نہیں پایا جاتا البتہ دوسری قسم کا احراز پایا جاتا ہے، مال کی مذکورہ دونوں

تعریفوں میں احراز کا لفظ مطلق ہے۔اس میں کسی ایک قسم کی تعین نہیں، اس لئے حقوق ومنافع صراحۃ نہیں بلکہ ضمناً خارج ہوں گے، بحوث میں جوتحریر ہے۔" ولیس فی احد من هذین التعریفین ما یقصر المال علی الا عیان ویخرج الحقو ق او امنافع المو بدة من تعریفه صراحة "۔(البحوث فی قضایا فقهیة معا صرة ۹۳)۔کہ حقوق ومنافع صراحۃ مال کی تعریف سے خارج نہیں ہوتے اس صراحت سے بھی غالباً یہی مراد ہے۔کہ مال کی تعریف میں احراز کی کسی ایک صورت کی تعین نہیں یا یہ مراد ہے۔کہ لفظ "عین" یا اس کا ہم معنیٰ لفظ مال کی تعریف میں مذکور نہیں وگرنہ احراز کی قید سے حقوق اور منافع بھی مال کی تعریف سے خارج ہورہے ہیں۔جیسا کہ "مجلہ فقہ اسلامی میں احراز ہی کی قید سے منافع وحقوق کو مال کی قید سے خارج کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"نیز اس عنصر (اس چیز کا احراز ممکن ہو) کے لحاظ سے حقوق ومنافع کا احراز بھی ممکن نہیں۔(مجله فقه اسلامی ۲۵۶).

اسی طرح "المدخل" میں مذکور ہے۔ والتقیید با مکان الا دخار هو لا خراج المنفعة لا نها عند الحنفیة من الملک لا المال .(المدخل الفقهی العام ۱۱۴)۔

مال کی دو تعریفیں ایسی ہیں۔جن میں مال کو صراحۃً عینی اشیاء کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔اور حقوق ومنافع کو مال سے خارج کیا گیا ہے، ان دو تعریفوں کے اعتبار سے جب حقوق ومنافع مال نہیں ہوں گے۔تو ان کی بیع بھی جائز نہیں ہوگی۔

کیونکہ بیع کی تعریف ہے۔ مبا دلة الما ل بالما ل .

جسکو علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے " ملتقی الا بحر " کی شرح " الدر المنتقیٰ " میں ذکر فرمایا! والمراد با لمال عین یجری فیه التنا فس والا بتذال (الدر المنتقیٰ ۲/۳) ۔یعنی مال سے مراد وہ ہے۔جس کے بارے میں لوگوں میں رغبت اور حرص پائی جائے اور اس کو خرچ کیا جاتا ہو"۔اس تعریف میں بھی لفظِ عین صراحۃ مذکور ہے۔

دوسری تعریف:۔

دوسری تعریف " المدخل الفقهی العام "میں مذکور ہے،اس میں کتبِ احناف میں مذکور تعاریف مال پر تنقید کی گئی ہے۔ پھر کہا کہ فقہاء احناف کی تعاریف کو سامنے رکھتے ہوئے مال کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے۔"الما ل هو کل عین ذات قیمة مادیة بین الناس"۔کہ مال سے مراد وہ عین ہے۔جس کی لوگوں کے درمیان کوئی مادی قیمت ہو"۔مال کی مذکورہ تعریف میں لفظ "عین" کی قید سے حقوق اور منافع نکل گئے کیونکہ ان کو ملک تو شمار کیا جاتا ہے۔لیکن مال شمار نہیں کیا جاتا۔اور "با لقیمة الما دیة" کی قید سے وہ اعیان نکل گئے جن کی لوگوں کے ہاں کوئی قیمت نہیں ہوتی جیسے گندم کا ایک دانہ، مردار وغیرہ۔

فائدہ:۔

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے،اور ادخار اور ما یمیل الیہ الطبع کا وہ معنیٰ مراد لیا جائے۔جس کو ماقبل میں ہم نے ذکر کیا تو المدخل

میں مذکور تعریف اور فقہاء کی مذکورہ صدر تعریفات میں سوائے اس کے اور کوئی فرق نہیں رہتا کہ المدخل میں ما یمکن ادخارہ کی جگہ لفظِ ''عین'' صراحۃً ذکر کیا گیا ہے۔ اور ما یمیل الیہ الطبع کی جگہ ''ذات قیمة ما دیه بین الناس '' ذکر کیا گیا ہے۔ اور حاصل دونوں کا ایک ہی نکلتا ہے۔ وہ اس طرح کی فقہاءِ احناف نے مال کو جو تعریف فرمائی ہے۔ اس کے دو جز ہیں۔

پہلا جز:۔ ''مأ یمیل ألیه الطبع '' کہ اس چیز کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہو اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جس چیز کی کوئی قیمت نہ ہو اس کی طرف لوگوں کی طبائع مائل نہیں ہوتیں، لہٰذا ''ما یمیل الیه الطبع'' اور ''ذات قیمة ما دیة بین الناس '' کا حاصل ایک ہی نکلا۔

دوسرا جز:۔ ''ویمکن أدخاره لوقت الحاجة'' کہ اس چیز کا ضرورت کے وقت کے لئے احراز اور حفاظت ممکن ہو، اس قید سے مقصود منافع کو مال کی تعریف سے خارج کرنا ہے۔ چنانچہ المدخل میں اس بات کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

والتقييد بأ مكان الادخار هو لاخراج المنفعة لانها عند فقهاء الحنفية من قبيل الملك للمال.

(المد خل الفقهی العام . (۳/ ۱۱۴).

اور المدخل میں جو مال کی تعریف میں عین کی قید لگائی ہے۔ اس سے مقصود بھی مال کی تعریف سے منافع کو خارج کرنا ہے۔

چنانچہ ''المدخل'' میں لفظ ''عین'' کی قید کے تحت مذکور ہے۔

فا لعين خرجت المنا فع والحقو ق المحضه مما عدده ملكا لا مالا. (المدخل الفقهی العام . ۳۰/ ۱۱۸) '' کہ لفظ عین سے مقصود منافع اور حقوق کو خارج کرنا ہے''۔ لہٰذا کتب حنفیہ میں مذکور تعریف اور المدخل میں مذکور تعریف کا حاصل ایک ہی نکلا۔

والله اعلم بالصواب.

مال کی بحث کے متعلق تیسری چیز ''عرف'' ہے۔ اب ہم بفضل اللہ تعالیٰ اس کو شروع کرتے ہیں۔ یعنی عرف اور عادۃ کے اعتبار سے مال کی حقیقت:

حقیقۃ المال بحسب العرف والعادۃ:

مال کی بحث سے متعلق آخری چیز عرف ہے، عرف میں مال کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے۔ یہاں سے اس بحث کو شروع کیا جارہا ہے۔ کسی چیز کے ثبوت میں عرف اہم کردار ادا کرتا ہے، یہی وجہ ہے۔ کہ بہت سے مسائل فقہاء کرامؒ نے عرف وعادت کو فیصل وحکم بنایا ہے۔ اور عرف کو شریعت کی ایک اصل قرار دیا ہے، چنانچہ الاشباہ والنظائر، کا القاعدہ السادسہ'' یہ ہے، '' العادة محكمه''

الا شباه والنظا ئر ۱/ ۲۶۸) مكتبه اداره القرآن والعلوم الا سلاميه كراچى. وقواعد الفقه ص ۹۱)

''یعنی عرف وعادت حکم وفیصل ہے، اسی کو علامہ شامیؒ نے عقود رسم المفتی میں اس طرح منظوم ذکر فرمایا ہے۔'' والعرف فی الشرع لہ اعتبار ولذا علیہ الحکم یدار۔'' (شرح عقود رسم المفتی ۱۳۹، الرشید ٹرسٹ کراچی) اور اصل فقہ کا معروف قاعدہ ہے۔

''الثالث بالعرف كالثابت بالنص''. (قواعد الفقه. ص ۷۴)

یعنی جو چیز عرف سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ اپنے حکم کے اعتبار سے ایسی ہی ہے جیسے نص سے ثابت شدہ چیز۔ مثلاً استصناع اور حمام میں داخل ہونے، مشکیزہ سے پانی پینے کی اجرت کو عرف اور تعامل ناس کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا۔

لغت کی بہت سی کتب میں مال کے لغوی معنیٰ کو لکھنے کی بجائے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

''المال معروف'' کہ مال کا معنیٰ لوگوں کے درمیان معروف ہے'' اور علامہ شامیؒ نے تو مال کی مالیت کے تحقق وثبوت کا مدار ہی لوگوں کے تمول اور لوگوں کے کسی چیز کو مال بنا لینے پر رکھا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔'' المالیۃ تثبیت بتمول الناس کافۃ او متقوم البعض ''۔(دار المحتار ۴/۱ ۵۰)

کسی چیز کی مالیت تمام لوگوں کے یا بعض لوگوں کے اس چیز کو مال بنا لینے سے ثابت ہوتی ہے۔ اور عرف کے معتبر ہونے کی اصل یہ حدیث مبارک ہے۔ '' ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسنا '' (الا شباہ و النظائر ۱/۲۶۸)

''کہ کسی چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے''۔

بہر حال ان مذکورہ قواعد ودلائل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عرف کا بھی شریعتِ مقدسہ میں اعتبار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ عرف میں کن چیزوں کو مال سمجھا جاتا ہے۔ تو اس سلسلہ میں عرض ہے۔ کہ اتنی بات تو واضح ہے۔ کہ سابقہ تمام ادوار میں عینی اور مادی چیزوں کو مال سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی ان کو مال سمجھا جاتا ہے۔ مسئلہ صرف منافع کا ہے۔ کہ عرف میں ان کو مال سمجھا جاتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں اتنی بات عرض ہے کہ فقہاء کرامؒ کے دور میں تو منافع کو مال نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور آج کے دور میں منافع کو نہ صرف مال بلکہ اعز الاموال سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے آج کل منافع بھی مال کی تعریف میں داخل ہیں۔ یہاں ان چیزوں کی چند مثالیں پیش کر دینا مناسب ہوگا۔ کہ جن کو لوگ پہلے زمانہ میں مال نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے فقہاء کرامؒ نے ان کی بیع کو عدم مالیت کی وجہ سے باطل قرار دیا، لیکن جب لوگ انہی چیزوں کا تمول کرنے اور انہیں مال سمجھنے لگ گئے تو فقہاء کرامؒ نے بھی ان چیزوں کو مال قرار دیتے ہوئے۔ ان کی بیع کو جائز قرار دیا۔

پہلی مثال:

پہلی مثال '' دودۃ القز'' یعنی ریشم کے کیڑے کی ہے، حضرات فقہاء احناف کا اصل مسلک جو حضرت امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے۔ وہ یہ ہے کہ ریشم کے کیڑے کی بیع جائز نہیں، باطل کے تلف کر دینے پر ضمان وتاوان بھی نہیں ہے اس کے بعد علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

کہ چونکہ آج کے دور میں دودۃ القز اعز الاموال میں سے ہے۔ اس لئے اس کی بیع جائز ہے۔

تنبیہ لم دورۃ القز اعز حکم دودۃ القزّ وقد ذکر سید ی عبد الغنی النا بلسی فی رسا لۃ ان بیعھا باطل ومنہ لا یضمن متلفھا لا نھا غیر مال . قلت وفیہ انھا من اعز الا موال الیوم، ویصدق علیھا تعریف المال المتقدم بحتا ج الیھا الناس کثیر افی الصیاغ وغیرہ فینبغی جواز بیعھا۔(ردالمحتار ۵/ ۵۱) .

دوسری مثال:

''النحل'' یعنی شہد کی مکھی ''شہد کی مکھی کی بیع شیخین کے ہاں جائز نہیں ہے، امام محمدؒ کے ہاں جائز ہے۔ اور فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہیں۔ اور جواز بیع کی وجہ سے بیان کرتے ہوئے صاحب البحر الرائق رقمطراز ہیں۔

"لا نه حیوان منتفع به حقیقةً و شرعاً" (ردالمحتار .۵/۶۸)

بہر حال ماقبل میں پیش کردہ چند مثالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔ کہ کسی چیز کی مالیت کے تحقق کا مدار عرف پر ہے۔ اور بار ہا ایسا ہوا کہ ایک چیز بیع کو فقہاء کرامؒ نے اپنے عرف کے اعتبار سے باطل قرار دیا عدم مالیت کی وجہ سے، پھر بعد میں لوگوں کے اس چیز کو مال بنا لینے کی وجہ سے فقہاء کرامؒ نے اس بیع کو جائز قرار دیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مال کی مالیت کا مدار عرف پر ہے۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فقہاء کرامؒ کے دور میں منافع کو مال نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کہ منافع اور حقوق سے انتفاع کی جو صورتیں آج کل پیش آ رہی ہیں۔ مثلاً بجلی، گیس ٹریڈ مارک کی بیع وغیرہ، ان سے انتفاع کا رواج جس قدر آج زیادہ ہے۔ اس کا تصور بھی فقہاء کرامؒ کے دور میں نہیں تھا۔ اس لئے فقہاء کرامؒ نے جو مال کی تعریف کی ہے وہ اپنے زمانے کے حالات کو سامنے رکھ کر کی تھی اور چونکہ اس دور میں منافع وحقوق سے انتفاع کا رواج نہیں تھا اس لئے فقہاء کرامؒ نے کسی چیز کی تعریف اپنے زمانے کے حالات و واقعات کے اعتبار سے کر دی اور تعریف میں کوئی ایسی قید یا لفظ ذکر فرما دیا جو ان کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔ اور بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ مذکورہ چیز کی کچھ صورتیں ایسی بھی ہیں۔ جن کا اس دور میں تصور بھی نہیں تھا۔ اس لئے اب اس قید کی ضرورت نہیں، میں اس کی دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

پہلی مثال:

فقہاء کرامؒ نے اپنے عرف اور زمانے کے اعتبار سے سجدہ کی تعریف کی ہے۔ **" وضع الجبهته علی الارض اوما یستقر علی الارض علی وجه التذ لل"**

''کہ اپنی پیشانی کو زمین پر یا زمین پر ٹکی ہوئی کسی چیز پر رکھنا انکساری کے انداز سے اس تعریف میں فقہاء کرامؒ نے سجدہ کے ادا ہونے کے لئے پیشانی کو زمین پر یا زمین پر ٹکی ہوئی چیز پر رکھنے کی شرط لگائی ہے، اس تعریف کے اعتبار سے ہوائی جہاز میں نماز جائز نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ جہاز نہ تو زمین ہے، اور نہ زمین پر ٹکی ہوئی کوئی چیز بلکہ ہوا میں معلق ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی تعریف کی بناء پر بعض علماء کرامؒ نے ہوائی جہاز میں عدم جواز صلوۃ کا حکم لگایا ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ فقہاء کرامؒ نے جب یہ سجدہ کی تعریف فرمائی تھی اور اس میں لفظ ''ارض'' کو استعمال فرمایا تھا۔ تو اس قید سے ان کا مقصود ہوائی جہاز کا نکالنا ہرگز نہ تھا۔ لیکن چونکہ ان کے زمانہ میں سجدہ کی ادائیگی کی یہی صورت تھی کہ انسان اپنی پیشانی زمین

یا زمین پر ٹکی ہوئی کسی چیز پر رکھ دے اس لئے فقہاء کرامؒ نے سجدہ کی تعریف میں ''ارض'' کی قید لگا دی۔

دوسری مثال:

فقہاء کرامؒ نے تلقن من خارج الصلوۃ'' کو مفسد نماز قرار دیا ہے۔

فقہاء کرامؒ کے انہی الفاظ کو لے کر بعض علماء کرامؒ نے لاوڈ اسپیکر پر عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ لاوڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے میں بھی ''تلقن من الخارج'' پایا جاتا ہے۔ لیکن مقام غور ہے۔ کہ جب فقہاء کرامؒ نے تلقن من الخارج'' کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔ تو لاوڈ اسپیکر نہ ان کے دور میں تھا۔ اور نہ ہی اس کا تصور ان کے ذہن میں تھا، اس لئے یہ نہیں کہ جاسکتا کہ فقہاء کرامؒ نے تلقن من الخارج سے لاوڈ اسپیکر کو نکالنے کا ارادہ کیا ہے۔ (ملخص از اصولِ الافتاء . ٦٥) آمد برسر مطلب! بعینہ اسی طرح جب فقہاء کرامؒ نے لفظ کی تعریف میں ''عین'' کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔ تو وہ اپنے زمانے کے حالات وواقعات کے پیش نظر فرمایا تھا۔ کیونکہ ان کے دور میں تمول وادخار کی صورت صرف عینی چیزوں کے ساتھ خاص تھی۔ اور آج کل کے دور میں مروج منافع (مثلاً بجلی، گیس وغیرہ) سے انتفاع کی صورتوں کا وجود تو درکنار ان کا تصور بھی ان کے دور میں نہ تھا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مال کی تعریف لفظ عین یا ''خار'' سے ان کا مقصود منافع کو نکالنا تھا۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ مذکورہ تفصیل فقہاء کرامؒ کی ذکر کردہ تعریفات کے بارہ میں ہے۔ اور اگر کسی چیز کے بارہ میں کوئی صریح حکم قرآن وحدیث میں وارد ہو تو گردشِ دوراں اور انقلاباتِ زمانہ کی وجہ سے وہ حکم نہیں بدلے گا جیسے حرمتِ خمر وخنزیر وغیرہ، کیونکہ یہ حکم اس ذات مقدس کی طرف سے ہے۔ جو موجود اور آئندہ پیش آنے والے تمام حالات وواقعات کے بارہ میں علیم خبیر ہے۔ جب ایسی علیم وخبیر ذات نے حکم لگایا ہے۔ تو اس میں تعبیر وتبدیل ممکن نہیں، یہی فرق ہے۔ شرع منزل اور شرع مؤول میں، گو عمل کرنا دونوں پر واجب ہے۔ لیکن شرع منزل اپنے تمام الفاظ کے ساتھ واجب العمل ہے۔ اس تغیر متبدل اور خطاء کا احتمال نہیں کیونکہ یہ ذات عالم الغیب کی طرف سے ہے۔ اور شرع مؤول میں فقہاء کرامؒ نے اپنے اجتہاد کے مطابق قرآن وسنت سے تعریفات متنبط فرمائیں ان کے الفاظ میں تغیر وتبدیل حالات وواقعات کے مطابق ممکن ہے۔

''وان کلا القسمین وان کانا سواء فی وجوب العمل علیها غیر انه یجب ان یتنبه لا مر ربما یتغا ضی عنه بعض الناس فیقعون فی خطأ .وذلک :ان الشرع المنزل شرع بجمیع الفاظه فیعمل بتلک الا لفا ظ ومقتضیا تها بکل معنیٰ الکلمه مهما تغیرت ِالآ ثار اوا نقلبت الظروف فان تلک الا لفاظ بسبب وحیا صادرة من الذی یعلم غیب السموات والارض وجمیعْ الامور الکا ئنة فی المستقبل . بخلاف الشرع الموؤل المذکور فی عبارات فا نها لیست صادرة عن عالم الغیب فا نها معدود ة فی امکا نیات الفقهاء ، ومقتضی استقصائهم زما نهم ،ولم یتغیلو ا ما سیحدث فی الا زمنة الا تیة بحیث لم تستو عب عباداتهم هذه الحوادث المستقبلة، فربما تیوهم من عموم الفا ظهم حکم للحوادث المستقبلة ولکنهم لم یقصدو ها لکونها غیر متصورة فی عهد هم ''.(اصول الا فتاء ٦٤)

کتنے خوبصورت اور کتنے پنے تلے الفاظ میں ہماری تمام سابقہ بحث کا خلاصہ مذکور عبارت میں آ گیا۔

الحاصل:

اس لئے آج کل کے دور میں منافع اور حقوق بھی مال ہیں۔ اور ان کی بیع وشراء بھی جائز ہے۔ الا یہ کہ بعض وہ حقوق جن کی بیع وشرا کی اجازت آج کل کے علماء کرام نے بھی نہیں دی جیسے حقوق مجردہ۔
منافع کو مال شمار کرنا یہ فقہاء کرامؒ کی منشاء کے ہرگز خلاف نہیں منافع وحقوق کو مال شمار کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر فقہاء کرامؒ بھی اس دور میں ہوتے یا یہ صورتیں ان کے زمانہ میں پیدا ہو جاتیں تو وہ بھی یقیناً منافع وحقوق کا مال شمار کرتے۔ بہرحال ہماری سابقہ تحریر سے ثابت ہوا کہ منافع مال ہیں۔ اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی ہے۔ اور ہماری رائے کے مطابق بھی چونکہ منافع مال ہیں۔ اور یہی رائے ہمارے نزدیک راجح ہے۔ اس لئے اس بحث کے آخر میں منافع کا اما ل تسلیم کرنے والی رائے کی کچھ وجوہ ترجیح پیش کر کے اس بحث کو مکمل کرنا چاہتا ہوں گا۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ منافع کو مال تسلیم کرنے یا مال تسلیم نہ کرنے میں کون سی رائے زیادہ راجح ہے، کتاب سے تتبع کے بعد منافع کو مال تسلیم کرنے کی رائے احقر کے نزدیک بوجوہ راجح معلوم ہوتی ہے۔

احناف کی دلیل:

حنفیہ نے منافع کو مال تسلیم نہیں کیا اس سلسلہ میں ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ کسی شئی کی صفتِ مالیت وہ صرف تمول سے ثابت ہوتی ہے۔ اور تمول نام ہے۔ کسی چیز کی صیانت اور اس کے احراز کا۔ اور جو آدمی کسی چیز کو ختم کر کے اس سے انتفاع کر رہا ہو۔ تو اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ کھانے سے تمول کر رہا ہے۔ "بلکہ تمول کے بجائے وہ الٹا اسے ختم کر رہا ہے"۔ جب تمول ممکن نہیں کیونکہ ان کا احراز اور ان کی صیانت وحفاظت ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دو زمانوں میں باقی نہیں رہتے، بلکہ آناً فاناً حاصل ہوتے ہیں۔ اور حصول کے متصل بعد ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا وجود بھی باقی نہیں رہتا اس لئے ہم منافع کو مال نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ مالیت تو تمول سے حاصل ہوتی ہے۔
حاصل یہ کہ منافع کسب سے پہلے معدوم ہوتے ہیں۔ اور کسب کے متصل بعد پھر معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور معدوم چیز پر مال کا اطلاق نہیں ہو سکتا اجارہ اور عقود جو منافع پر منعقد ہوتے ہیں۔ ان کا استحساناً اور خلاف قیاس مال تسلیم کیا گیا ہے۔ صرف ورودِ نص کی وجہ سے اور چیز خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے۔ وہ اپنے مورد پر بند رہتی ہے۔ (الملکیة ونظریة العقد ۵۳)

مقالہ نگاروں سے ضروری گزارش

جملہ مقالہ نگار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مقالات صاف ستھرا خوشخط لکھائی کے ساتھ اگر ممکن ہو تو کمپیوٹر سے کمپوز کر کے صحیح پروف شدہ، حوالات جات کے ساتھ بروقت براہ راست ای میل ایڈریس: almarkazulislami@maktoob.com یا ڈاک کے ذریعے روانہ کریں۔ نیز ایک عدد سی ڈی بھی ارسال فرماویں۔ .... شکریہ